The Impact of Custom on Modern Financial Transactions

Muhammad Asad[❁]

ABSTRACT

Custom (*'urf*) is the secondary source of Islamic law. Classical Muslim jurists especially, the Ḥanafīs, have discussed the status of custom as a source of Islamic law. They pointed out in their writings numerous *sharī'ah* rulings, which were based on customs and usages of the people. This paper seeks to analyse the impact of custom, as a source of Islamic law, on modern financial transactions. It is divided into two sections. The first section consists of introductory information about custom i.e., its meaning, kinds, conditions, and validity. The second section deals with the impact of custom (*'urf*) on modern financial transactions, namely the transactions related to sale, lease, agency and intellectual property.

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

❁ Visiting Lecturer, Faculty of Shariah and Law, International Islamic University, Islamabad. (mu.asad@iiu.edu.pk)

جدید مالی معاملات میں عرف کا اثر

محمد اسد ۞

عرف اور عادت شریعت کے مصادر میں سے ایک اہم مصدر ہے، کسی بھی معاشرے کے عرف اور عادت کو جاننا انتہائی ضروری اور اہمیت کا حامل ہے، اسی لیے علمانے اپنے زمانے کے عرف اور عادات سے ناواقف شخص کو جاہل قرار دیا ہے، اور خاص طور پر قاضی اور مفتی کے لیے لازم قرار دیا ہے کہ وہ فیصلہ کرنے یا فتوی دینے سے پہلے معاشرے میں رائج عرف اور عادات کو مدِ نظر رکھے۔

شریعت کا عرف کا اعتبار کرنا اور اسے دلیل شرعی قرار دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ہمارا دین نہ صرف عالمگیر ہے، بلکہ یہ دین قیامت تک ہر زمانے اور ہر جگہ کے لیے موزوں ہے۔

اس اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے علمانے عرف اور عادت کے متعلق کچھ فقہی قواعد بھی متعین کیے ہیں، جن کی مدد سے جدید معاملات کے جواز اور عدم جواز کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ زیر نظر مقالے میں عرف کی اہمیت، جدید مالی معاملات میں اس کا اثر اور تطبیقات کا جائزہ لیا جائے گا۔ مقالے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے؛ پہلے حصے میں عرف کے متعلق بنیادی باتوں کو "مبادیات عرف" کے عنوان کے تحت بیان کیا گیا ہے، جس میں عرف کی اہمیت، اس کا مفہوم، عرف اور عادت میں فرق، عرف کی اقسام و شرائط، اس کی حجیت اور اس سے متعلق فقہی قواعد پر بحث کی گئی ہے، جب کہ دوسرا حصہ "مالی معاملات کی جدید صورتوں میں عرف کا اثر" کے عنوان سے ہے، جس کے تحت عقدِ بیع، عقدِ اجارہ، عقدِ وکالہ کی مختلف صورتوں میں عرف کے اثر اور حقوق معنویہ میں عرف کے اثر کو واضح کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں عصر حاضر کی تمام جدید مالی صورتوں میں عرف کے اثر کا احاطہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی یہ اس مقالے کا مقصود ہے، بلکہ یہ مقالہ عرف کے دائرہ کار کو واضح کرتا ہے کہ عرف کی بنا پر کیسے جدید مالی معاملات کے جواز میں مدد ملتی ہے، مقالے کے آخر میں بحث سے اخذ کردہ چند نتائج کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

۞ وزٹنگ لیکچرر، فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لا، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔
(mu.asad@iiu.edu.pk)

مبادیات عرف

عرف کی اہمیت

جدید اور قدیم فقہا کے ہاں عرف کی اہمیت مسلم ہے، ہر دور میں عرف کا اعتبار کیا جاتا رہا ہے، علما کی مندرجہ ذیل عبارات عرف کی اہمیت کا واضح ثبوت ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب اس عنوان سے قائم کیا ہے: ”باب من أجرى أمر الأمصار على ما يتعارفون بينهم في البيوع والإجارة والكيل والوزن، وسننهم على نياتهم ومذاهبهم المشهورة“؛ **صحیح بخاری** کی سب سے معتبر شرح **فتح الباري** کے مصنف ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن منیر رحمۃ اللہ علیہ[۱] وغیرہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ امام بخاری کا اس باب کو قائم کرنے کا مقصد عرف پر اعتماد ظاہر کرنا ہے۔[۲]

عرف کی اہمیت کے بارے میں ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ”فإن الفتوى تتغير بتغير الزمان والمكان والعوائد والأحوال“[۳] (بے شک فتوی زمانے، عادات اور احوال کے بدلنے سے بدل جاتا ہے)، ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے: ” أن العرف والعادة أصل من أصول الشريعة يقضى به في الأحكام“[۴] (بے شک عرف اور عادت شریعت کے اصولوں میں سے ایک ایسا اصول ہے، جس سے احکام میں فیصلہ کیا جاتا ہے۔)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے: ”اعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إليه في الفقه في

۱۔ ناصر الدین ابن منیر سکندریہ کے قاضی تھے۔ ۶۲۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان کے مشہور اساتذہ میں ابن حاجب ؒ ہیں، **المتواري على أبواب البخاري**،**الانتصاف من الكشاف** ان کی معروف تصانیف ہیں، ۶۸۳ ہجری میں وفات پائی ہے۔ دیکھیے: جلال الدین سیوطی، **بغية الوعاة** (بیروت: المكتبة العصرية، س ن)، ۱: ۳۸۴۔

۲۔ ابن حجر عسقلانی، **فتح الباري** (بیروت: دار المعرفة، ۱۳۷۹ھ)، ۴: ۴۰۶۔

۳۔ ابن القیم، **إعلام الوقعين** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۱۱ھ)، ۴: ۱۵۷۔

۴۔ ابن عربی، **أحكام القرآن** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۲۴ ھ)، ۴: ۲۸۸۔

مسائل لَا تُعَدُّ كَثْرَةً"[۵] (جان لیجیے کہ فقہ میں عرف و عادت کی طرف اتنے مسائل میں رجوع کیا جاتا ہے جو کثرت کے باعث شمار نہیں ہو سکتے۔)

ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے: "اعلم أن اعتبار العادة والعرف يرجع إليه في الفقه في مسائل كثيرة، حتى جعلوا ذلك أصلا"[۶] (جان لو کہ عادت اور عرف کی طرف فقہ کے بہت سارے مسائل لوٹتے ہیں، حتی کہ علما نے انھیں اصول بنا دیا ہے۔)

ابن نجار رحمۃ اللہ علیہ[۷] کا کہنا ہے: "من أدلة الفقه أيضا تحكيم العادة، وهو معنى قول الفقهاء إن العادة محكمة، أي معمول بها شرعا"[۸] (فقہ کے دلائل میں سے عادت کو حَکَم بنانا ہے، یہی معنی فقہا کی اس بات کا ہے کہ "عادت کو حَکَم بنایا جاتا ہے۔) یہ عبارات اس امر میں واضح ہیں کہ عرف اور عادت کا اعتبار کرنا ایک مسلمہ اصول ہے، جس سے پہلو تہی نہیں کی جا سکتی۔

عرف کا مفہوم

عرف کا لغوی معنی کسی چیز کا علم یا ادراک ہے۔ عرف عین کے پیش ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی کسی معروف چیز کے ہیں۔[۹]

فقہ اسلامی میں عرف کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، مرداویؒ نے عرف کی تعریف یہ کی ہے: "كل ما

۵– جلال الدین سیوطی، **الأشباه والنظائر** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۱۱ھ)، ۹۰۔

۶– زین الدین ابن نجیم، **الأشباه والنظائر** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۱۹ ھ)، ۷۹۔

۷– ان کا پورا نام تقی الدین محمد بن احمد ہے، حنبلی فقہا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ مصر کے شہر قاہرہ میں ۸۹۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان کی تصانیف یہ ہیں: **منتهى الإرادات**، **مختصر التحرير**۔ ایک قول کے مطابق ۹۷۹ ہجری میں وفات پائی، دوسرے قول کے مطابق ۹۷۲ ہجری میں وفات پائی۔ دیکھیے: ابن غزی، **ديوان الإسلام** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۱۱ھ)، ۳: ۴۲۳۔

۸– ابن نجار، **مختصر التحرير** (ریاض: مكتبة العبيكان، ۱۴۱۸ھ)، ۴: ۴۴۸۔

۹– الفراہیدی، **كتاب العين** (بیروت: دار ومكتبة الهلال، س ن)، ۲: ۱۲۱؛ ابو منصور الہروی، **تهذيب اللغة** (بیروت: دار إحياء التراث العربي، ۲۰۰۱ء)، ۲: ۲۰۷۔

عرفته النفوس مما لا ترده الشريعة"،[۱۰] (عرف ہر وہ چیز ہے جسے انسانی طبیعت قبول کرلے اور شریعت اسے رد نہ کرے)، علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے عرف کی تعریف یوں کی ہے: "ما استقرت النفوس عليه بشهادة العقول، وتلقته الطبائع بالقبول"، [۱۱] (جو عقلی طور پر دلوں میں پیوست ہو جائے اور انسانی طبیعت اسے قبول کرلے)، بعض نے عرف کی یہ تعریف کی ہے: "تعارفه الناس وساروا عليه، من قول، أو فعل، أو ترك"،[۱۲] (عرف ایسا قول، فعل یا ترک ہے، جو لوگوں کے ہاں عام ہو جائے اور لوگ اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔)

مذکورہ بالا تعریفوں پر عمومی طور پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں: پہلا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ عرف کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن وسنت کے مخالف نہ ہو۔ مذکورہ بالا تعریفوں میں (سوائے مرداوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف) عرف کے شریعت کے مطابق ہونے کی شرط سے تسامح کیا گیا ہے، دوسرا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ ان تعریفوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرف صرف وہی معتبر ہو گا، جسے سب لوگ قبول کرلیں، کیوں کہ "النفوس"، "العقول"، "الطبائع " اور "الناس" میں الف لام جنس کے لیے ہے، لہذا اگر سب لوگ عرف کو قبول نہ کریں، بلکہ لوگوں کی اکثریت نے اسے قبول کیا ہو، تو وہ عرف صحیح نہیں ہو گا، حالاں کہ لوگوں کی اکثریت اگر کسی چیز کے صحیح یا غلط ہونے پر اتفاق کرلے اور وہ چیز قرآن وسنت کے خلاف بھی نہ ہو تو بلاشبہ اس چیز کو جائز اور درست قرار دیا جائے گا، ان اعتراضات کے پیش نظر عرف کی یہ تعریف مناسب لگتی ہے: عرف ہر ایسا عمل یا قول ہے، جو تمام لوگوں کے ہاں یا لوگوں کی اکثریت کے ہاں رائج ہو اور قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔

عادت کا مفہوم: عرف کے معنی سے ملتا جلتا ایک لفظ عادت ہے، عادت کا لغوی معنی کسی شے کے تکرار کے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے کہ عورت کے حیض کی عادت،[۱۳] ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے عادت کی تعریف یوں کی ہے: "أن

۱۰- المرداوی، **التحبير شرح التحرير** (ریاض: مكتبة الرشد، ۱۴۲۱ھ)،۸: ۳۸۵۲۔

۱۱- علی الجرجاني، **التعريفات** (بیروت: دار الكتب العلميه،۱۴۰۳ھ)،۱۴۹۔

۱۲- عبدالوہاب خلاف، **علم أصول الفقه** (قاہرہ: مكتبة الدعوة،س ن)، ۸۹۔

۱۳- **المعجم الوسيط** (قاہرہ: دار الدعوة،۲۰۰۴ء) ۲: ۶۳۵؛ **القاموس الفقهي** (دمشق: دار الفكر،۱۴۰۸ھ)، ۲۶۵۔

العادة عبارة عما يستقر في النفوس من الأمور المتكررة المعقولة عند الطباع السليمة"[۱۴]

(عادت ان مکررہ عقلی امور کا نام ہے، جو فطرت سلیمہ رکھنے والوں کے دلوں میں پیوست ہو جاتے ہیں۔)

عرف اور عادت میں فرق

بعض علما کے ہاں عرف اور عادت ہم معنی ہیں،[۱۵] ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، دوسری رائے کے مطابق عرف اور عادت میں فرق ہے، وہ فرق یہ ہے کہ عادت کا استعمال افعال میں اور عرف کا استعمال اقوال میں ہوتا ہے۔ اس رائے کو علامہ فناری رحمۃ اللہ علیہ [۱۶] نے اختیار کیا ہے،[۱۷] صاحب **كشف الأسرار** کا بھی اسی طرف میلان ہے،[۱۸] ایک تیسری رائے کے مطابق عرف اور عادت میں فرق یوں ہے کہ عادت عرف سے عام ہے اور ان کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، کیوں کہ عادت کا اطلاق فرد اور جماعت دونوں کی عادت پر بھی ہوتا ہے جب کہ عرف کا اطلاق کسی علاقے کی بڑی جماعت پر ہوتا ہے، فرد پر نہیں ہوتا؛ تو ہر عرف عادت بھی ہے، لیکن ہر عادت کو عرف نہیں کہا جا سکتا،[۱۹] ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرف اور عادت کے درمیان نسبت تو عموم و خصوص مطلق کی ہی ہے، البتہ، عرف عادت سے عام ہے، کیوں کہ عرف ان کے ہاں عرف

۱۴- ابن نجیم، **الأشباه والنظائر**، ۷۹۔

۱۵- ان علما میں ابن عابدین اور عبد الوہاب خلاف شامل ہیں. دیکھیے: ابن عابدین، **رسائل ابن عابدين** (لاہور: سہیل اکادمی، ۱۳۹۶ھ)، ۳: ۱۱۴؛ خلاف، مرجع سابق، ۸۹۔

۱۶- ان کا پورا نام محمد بن حمزۃ الفناری الحنفی ہے۔ فنار خراسان کا ایک گاؤں ہے، اسی وجہ سے انھیں فناری کہا جاتا ہے۔ ۷۵۱ ہجری میں پیدا ہوئے ہیں، ان کے اساتذہ میں سے مشہور اکمل الدین البابرتی ہیں۔ ان کی تصنیفات یہ ہیں: **شرح إيسا غوجي**، **أنموذج العلوم**۔ ۸۳۴ ہجری میں وفات پائی ہے۔ دیکھیے: احمد طاش کبری زادہ، **الشقائق النعمانية** (بیروت: دار الكتاب العربي، س ن)، ۱۷۔

۱۷- محمد بن حمزۃ، **فصول البدائع** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۲۷ھ)، ۲: ۱۷۷۔

۱۸- دیکھیے: عبد العزیز بخاری، **كشف الأسرار** (قاہرہ: دار الكتاب الإسلامي، س ن)، ۲: ۹۵۔

۱۹- اس رائے کو مصطفی زرقاء، ابن امیر الحاج اور ابو سنۃ نے اختیار کیا ہے، دیکھیے: مصطفی الزرقاء، **المدخل الفقهي** (دمشق: دار القلم، ۱۴۲۵ھ)، ۲: ۸۷۴؛ ابن امیر حاج، **التقرير والتحبير** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۰۳ھ)، ۱: ۲۸۲؛ ابو سنۃ، **العرف والعادة** (قاہرہ: مطبعة الأزهر، ۱۹۴۷ء)، ۱۱۔

عملی (جسے وہ عادت کا نام دیتے ہیں) اور عرف قولی دونوں کو شامل ہے۔

تیسری راے راجح معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ عادت کا اطلاق فرد پر اور جماعت دونوں پر کیا جاتا ہے، جب کہ عرف کسی فرد کا نہیں، بلکہ کسی جماعت کا ہوتا ہے۔

عرف کی اقسام

عرف کی مختلف اعتبار سے مختلف قسمیں ہیں:

پہلی تقسیم

کسی عرف کے شریعت کے مطابق یا مخالف ہونے کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں۔

۱) **عرف صحیح:** اس عرف کو کہتے ہیں جو شریعت کے مطابق ہو اور قرآن و سنت کے کسی حکم سے متصادم نہ ہو، جیسے بعض شہروں میں نکاح سے پہلے اور بعض میں نکاح کے بعد مہر کے ادا کرنے کا عرف، اس عرف کا حکم یہ ہے کہ قانون سازی، فتوی و قضا میں اس کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

۲) **عرف فاسد:** اس عرف کو کہتے ہیں، جو شریعت کے کسی حکم کے مخالف ہو، جیسے اجتماعات میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط، فوت شدگان پر نوحہ کرنا، جوا اور سود وغیرہ کا رائج ہو جانا، اس عرف کا حکم یہ ہے کہ اسے چھوڑنا ضروری ہے۔[۲۰]

دوسری تقسیم

عرف کی استعمال کے اعتبار سے بھی دو قسمیں ہیں۔

۱) **عرف قولی:** الفاظ کا کسی خاص معنی میں رائج ہو جانا عرف قولی کہلاتا ہے، جیسے لفظ "دابۃ" کا چار ٹانگوں والے جانور کے معنی میں رائج ہونا، حالاں کہ اپنی اصل میں یہ ہر رینگنے والے جانور کے لیے بولا جاتا تھا، اسی طرح لفظ "الغائط" اپنی اصل میں اطمینان بخش کشادہ زمین کے لیے بولا جاتا تھا، پھر لوگوں کے عرف میں بول و براز کے معنی میں مستعمل ہونے لگا۔[۲۱]

۲۰- دیکھیے: عبدالمحسن الزامل، **شرح القواعد السعدیة** (ریاض: دار أطلس الخضراء، ۱۴۲۲ھ)، ۹۵۔

۲۱- مصطفی احمد زرقا، **المدخل الفقهي** (دمشق: دار القلم، ۱۴۲۵ھ)، ۸۷۵؛ صالح سدلان، **القواعد الفقهية الكبرى** (ریاض: دار البلنسية، ۱۴۱۷ھ)، ۳۶۲؛ احمد رشاد، **أثر العرف في الأحوال الشخصية** (جامعہ الخلیل: كلية الدراسات العليا، ۱۴۳۵ھ)، ۳۲۔

۲) **عرف عملی:** کسی خاص فعل یا عادت کا لوگوں کے ہاں رائج ہو جانا، جیسے بیع معاطاۃ[22] اور عید کے موقع پر نئے کپڑے پہننے کا عرف۔

تیسری تقسیم

عرف کے پھیلاؤ اور وسعت کے اعتبار سے بھی دو قسمیں ہیں۔

۱) **عرف عام:** اس عرف کو کہتے ہیں جو کسی علاقے کے تمام لوگوں یا اکثر کے ہاں رائج ہو۔ بیع معاطاۃ اور عقدِ استصناع کا لوگوں کے ہاں رواج پا جانا اس کی مثالیں ہیں۔

۲) **عرف خاص:** اس عرف کو کہتے ہیں، جو کسی خاص علاقے یا خاص پیشہ ور افراد کے ہاں رائج ہو جائے، مثلاً عراق میں لفظ "دابۃ" کا گھوڑے کے لیے استعمال ہونا اور نحویوں کے ہاں مبتدا اور خبر کی اصطلاح کا رائج ہونا۔[23]

عرف کی حجیت

عرف کے شرعی دلیل ہونے پر مختلف دلائل پیش کیے جاتے ہیں، چند ایک یہ ہیں:

۱) اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾[24] (اور ان کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی گزارو) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾[25] (اور ان عورتوں کو معروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں، جیسے (مردوں کو) ان پر حاصل ہیں) قرآن مجید میں اللہ تعالی نے زوجین کو زندگی گزارنے کی تمام تفصیلات بیان نہیں کیں، بلکہ اسے معروف طریقے، یعنی عرف پر چھوڑ دیا ہے، کیوں کہ عرف ہر علاقے کا مختلف ہوتا ہے، نیز مالی اور سماجی لحاظ سے بھی لوگوں کے عرف میں اختلاف ہوتا ہے، لہذا یہ کافی مشکل امر ہے کہ میاں بیوی کی معاشرت کو ہر ایک پہلو سے واضح کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے اسے عرف پر چھوڑ دیا،[26]

۲۲- بغیر ایجاب و قبول کے کسی چیز کی خرید و فروخت "بیع معاطاۃ" کہلاتی ہے۔

۲۳- جلال الدین محلی، **شرح الورقات**، ت، حسام الدین (فلسطین: جامعة القدس، ۱۴۲۰ھ)، ۹۹۔

۲۴- القرآن ۴: ۱۹۔

۲۵- القرآن ۱: ۲۲۷۔

۲۶- دیکھیے: ابن عربی، **أحكام القرآن** (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۴۲۴ھ)، ۳: ۴۷۔

معلوم ہوا کہ کسی جگہ کا عرف اللہ تعالی کے ہاں معتبر ہے۔

۲) عرف کے حجت ہونے پر آپ ﷺ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے: "الوزن وزن أهل مكة، والمكيال مكيال أهل المدينة"[۲۷] (وزن میں مکے والوں کا وزن معتبر ہے اور کیل میں مدینہ والوں کا کیل معتبر ہے) اس حدیث میں آپ ﷺ نے مکہ والوں کے وزن کا اعتبار کیا ہے، کیوں کہ ان کے ہاں چیزوں کو وزن اور تول کر دینے کا رواج تھا، کیل میں مدینہ والوں کے کیل کا اعتبار کیا ہے، کیوں کہ مدینہ والوں کے ہاں اشیا کو کیل کے ذریعے دینے کا عرف اور رواج تھا، تو یوں آپ ﷺ نے ہر علاقے کے عرف اور رواج کو باقی رکھا۔

عرف کی حجیت کے باب میں یہ حدیث سب سے مضبوط دلیل ہے، اس کے علاوہ بھی عرف کے جواز پر قرآن و سنت سے دلائل پیش کیے جاتے ہیں، لیکن وہ تمام دلائل ضعیف ہیں۔

عرف کی شرائط

عرف کے صحیح اور قابل عمل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں:

۱) عرف کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ قرآن و سنت کی کسی نص کے مخالف نہ ہو، جیسے شراب، جوا اور سود کا عرف۔

۲) عرف کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ کسی علاقے کے سب ہی لوگوں یا اکثر کے ہاں رائج ہو۔

۳) کوئی صریح قول عرف کے خلاف نہ ہو، مثلاً اگر کسی جگہ کا عرف یہ ہے کہ مہر فوری ادا کیا جاتا ہے، لیکن اگر خاوند اس بات کی تصریح اور وضاحت کر دے کہ وہ مہر بعد میں ادا کرے گا، تو اس صورت میں خاوند

۲۷- ابو داود: **سنن أبي داؤد**، كتاب البيوع، باب في قول النبي ﷺ المكيال مكيال المدينة (دمشق: دارالرسالة العالمية، ۱۴۳۰ ھ)، رقم: ۳۳۴۰؛ محمد بن حبان، **صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان**، ترتیب: علاءالدین ابن بلبان، ت، شعیب الأرنؤوط، كتاب الزكاة، باب العشر (بیروت: مؤسسة الرسالة، س ن)، ۸: ۷۷، رقم: ۳۲۸۳؛ علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: **إرواء الغليل** (بیروت: المكتب الإسلامي، ۱۴۰۵ ھ)، ۵: ۱۹۱؛ امام ہیثمی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی صحیح حدیث کے راویوں کی طرح ہیں۔ دیکھیے: **مجمع الزوائد** (دمشق: دارالمأمون للتراث، س ن)، ۴: ۷۸۔

کی بات کا اعتبار ہو گا، عرف کا اعتبار نہیں ہو گا۔

۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ عقد کے وقت عرف موجود ہو، یعنی عقد سے پہلے عرف موجود ہو اور عقد کے وجود تک وہ جاری رہے، لہذا اگر کہیں عقد سے پہلے تو عرف موجود تھا، لیکن عقد کے وجود سے پہلے وہ عرف ختم ہو گیا، تو ایسے عرف کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔[۲۸]

عرف کے متعلق فقہی قواعد

عرف کے متعلق عمومی طور پر پانچ طرح کے قواعد ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱) "العادة محكمة"،[۲۹] (عادت کو حکم بنایا جاتا ہے۔)

۲) "المعروف عرفا كالمشروط شرطا"،[۳۰] (عرف میں معروف شرط لگا کر مشروط کرنے کی طرح ہے۔)

۳) "المطلق يدخل تحت المتعارف"[۳۱] (مطلق متعارف کے تحت داخل ہے۔)

۴) يترك القياس[۳۲] بدلالة العرف،[۳۳] (دلالتِ عرف کی وجہ سے قیاس چھوڑ دیا جاتا ہے۔)

۵) "تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة"[۳۴] (حقیقت کو استعمال اور عادت کی وجہ سے چھوڑ

۲۸- دیکھیے: الزامل، **شرح القواعد السعدية**، ۱۰۲۔

۲۹- **الأشباه للسيوطي**: ۷؛ ابن عابدین، **الدر المختار وحاشية ابن عابدين** (بیروت: دار الفكر، ۱۴۱۲ھ)، ۴: ۴۴۵۔

۳۰- ابن مازۃ، **المحيط البرهاني** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۲۴ھ)، ۳: ۱۸۸؛ فخر الدین الزیلعی، **تبيين الحقائق** (قاہرہ: المطبعة الكبرى الأميرية، ۱۳۱۳ھ)، ۵: ۱۴۷؛ ابن الہمام، **فتح القدير** (بیروت: دار الفكر، س ن)، ۳: ۳۸۱۔

۳۱- ابن النجیم، **البحر الرائق** (قاہرہ: دار الكتاب الإسلامي، س ن)، ۸: ۱۶۔

۳۲- یہاں قیاس سے مراد وہ قیاس نہیں، جو اصول فقہ میں بیان کیا جاتا ہے، بلکہ اس سے مراد فقہ کے عمومی قواعد ہیں، مثلاً غرر اور جہالت کا قاعدہ، اسی طرح یہ قاعدہ کہ اگر مثلیات میں سے کوئی شے ہلاک ہو جائے تو اس کی مثل لوٹائی جائے گی اور اگر قیمیات میں سے کوئی شے ہلاک ہو جائے، تو اس کی قیمت لوٹائی جائے گی۔

۳۳- ابن الہمام، **فتح القدير**: ۶: ۱۵۸۔

۳۴- السرخسی، **أصول السرخسي** (بیروت: دار المعرفة، س ن)، ۱: ۱۹۰۔

دیا جاتا ہے۔)

مالی معاملات کی جدید صورتوں میں عرف کا اثر

شرعی احکام دو طرح کے ہیں، کچھ احکام ایسی دلیل سے ثابت ہوتے ہیں، جن کا ثبوت اور مدلول دونوں قطعی ہوتے ہیں، مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ، یا محرمات میں سود، زنا، قتل اور جوا وغیرہ، اس طرح کے احکام میں رائے اور اجتہاد کا دخل نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ زمانے، علاقے یا عرف کے بدلنے سے بدلتے ہیں، بلکہ جیسے ہیں ہمیشہ ویسے ہی رہیں گے، دوسری طرف بہت سے احکام ایسے ہوتے ہیں جو کسی قطعی دلیل سے ثابت شدہ نہیں ہوتے، بلکہ ان کے ثبوت میں یا مدلول میں شک ہوتا ہے، ایسے احکام میں اجتہاد کیا جا سکتا ہے، نیز وقت اور زمانے کے تبدیل ہونے سے ان میں تغیر واقع ہو سکتا ہے، مزید براں ایسے احکام میں عرف کا کردار بھی بہت اہم ہو جاتا ہے، جدید مالی معاملات کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں، جو حالات اور عرف کے بدلنے کی وجہ سے بدل رہی ہیں، مذکورہ بالا عنوان کے تحت انھی معاملات کی کچھ ایسی صورتوں کا تذکرہ ہے، جن کے طریقے کار میں زمانے اور عرف کی وجہ سے تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اور ان کے جواز میں عرف نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔

عقدِ بیع میں عرف کا اثر

وقت گزرنے کے ساتھ خرید و فروخت میں کچھ ایسے جدید آلات اور ذرائع استعمال ہونا شروع ہوئے ہیں، جو کلاسیکل فقہا کے ہاں رائج نہیں تھے، یہی وجہ ہے کہ فقہا کی کتابوں میں ان کا ذکر نہیں ملتا، ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے استعمال کا شرعی حکم جانا جائے، ذیل میں ایسے معاملات کی چند صورتوں کو ذکر کیا گیا ہے:

۱) **صیغہ منتقل کرنے کے جدید طریقے:** زمانہ قدیم میں ایجاب و قبول زبانی یا خط و کتابت کے ذریعے ہوتا تھا، لیکن عصرِ حاضر میں ٹیلی فون، فیکس، ٹیلکس (Telex) اور انٹرنیٹ پر موجود ویب سائٹس اور ای میل کے ذریعے ہوتا ہے، ان جدید طریقوں کے ذریعے ایجاب و قبول چوں کہ عرف میں رائج ہے اور عرف دلیل شرعی ہے، لہذا ان کے ذریعے خرید و فروخت جائز ہے، بشرطے کہ ان میں دھوکہ و فراڈ، سود اور دیگر محرمات کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔

۲) **مبیع کو پہچاننے کے جدید طریقے:** بیع کی شرائط میں سے ہے کہ مبیع معلوم ہو، اگر مبیع مجہول ہے، تو بیع صحیح نہیں ہو گی، مبیع کی کوالٹی اور صفات کو پہچاننے کے بہت سے جدید طریقے رائج ہوئے ہیں، ذیل میں چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

الف)　نمونہ جات(Samples) کے ذریعے مبیع کو پہچاننا: کوئی چیز خریدنے سے پہلے اس کی کوالٹی اور صفات کا علم ہونا ضروری ہے، وگرنہ یہ مجہول کی بیع ہو گی، جو شرعاً جائز نہیں ہے، عصر حاضر میں مشینوں سے چیزیں تیار کی جاتی ہیں، جن کی اکائیاں بغیر کسی معمولی فرق کے یکساں ہوتی ہیں، اگر خریدار مطلوبہ چیز کی اکائیوں میں سے کچھ نمونے دیکھ لے، تو باقی اکائیوں کے بارے میں اطمینان حاصل ہو جاتا ہے، ہر ہر اکائی کو دیکھنا ضروری نہیں ہے۔

ب)　ویب سائٹس کے ذریعے پہچاننا: آج کل آن لائن خرید و فروخت کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے، جس میں مبیع کی صفات اور قیمت کو انٹرنیٹ پر موجود ویب سائٹس کے ذریعے معلوم کیا جاتا ہے۔

ج)　کمپنیوں کے نام یا تجارتی علامات کے ذریعے پہچاننا: ہر کمپنی ایک خاص تجارتی علامت رکھتی ہے، جو اس کی پیک شدہ مصنوعات کے غلاف (خواہ وہ پلاسٹک ہو یا مضبوط کاغذ) پر موجود ہوتی ہیں، خریدنے والا اس کمپنی کا نام یا اس کی تجارتی علامت کو دیکھ کر مبیع کے معیار یا صفات کو جانتا ہے۔

مبیع کو پہچاننے کے مذکورہ بالا سب ہی طریقے جائز ہیں، کیوں کہ لوگوں کے عرف میں یہ طریقے رائج ہیں، لہذا ان طریقوں سے مبیع یا ثمن کو معلوم کرنے پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

۳)　**<u>مبیع پر قبضے کے جدید طریقے:</u>** انٹرنیٹ کے ذریعے خرید و فروخت میں قبضے کی نوعیت مبیع کی نوعیت پر منحصر ہوتی ہے۔ مبیع دو حال سے خالی نہیں ہوتا، اس کا خارج میں کوئی مادی وجود ہو گا یا خارج میں کوئی مادی وجود نہیں ہو گا، اگر مبیع کا خارج میں مادی وجود ہو، تو بیع اس وقت تک نافذ نہیں ہو گی جب تک خریدنے والے کے قبضے میں نہ آجائے، کوئی مادی شے اگر انٹرنیٹ کے ذریعے خریدی جائے، تو عموی طور پر اسے خریدار کے گھر تک پہنچایا جاتا ہے، جسے ہوم ڈیلیوری(Home Delivery) کہا جاتا ہے، اگر مبیع ایسی اشیا میں سے ہے، جس کا خارج میں وجود نہیں ہے مثلاً سافٹ ویئرز، آڈیو، ویڈیو یا ای کتابیں، تو ان صورتوں میں خریدنے والا یوں ہی عقد کے تمام تقاضے پورا کرتا ہے وہ اس کے قبضے میں آجاتی ہے، اس میں حسی قبضہ ممکن نہیں ہوتا، مبیع پر قبضے کے ان جدید طریقوں پر کوئی اعتراض نہیں، کیوں کہ لوگوں کے عرف میں یہ طریقے رائج ہیں اور عرف دلیل شرعی ہے۔

۴) **ثمن کی ادائی کے جدید طریقے:** زمانے کے بدلنے سے ثمن کی ادائی کے طریقے بھی بدل گئے ہیں، چند طریقے یہ ہیں۔

الف) **آن لائن اکاونٹ کے ذریعے ادائی:** اس طریقے کے مطابق خریدار انٹرنیٹ کے ذریعے اپنے اکاؤنٹ سے بائع کے اکاؤنٹ میں رقم منتقل کر دیتا ہے۔

ب) **کریڈٹ کارڈ کے ذریعے ادائی:** یہ ایسا کارڈ ہے، جو بینک اپنے گاہک کے لیے جاری کرتا ہے، اس کارڈ کے حامل کو یہ سہولت دی جاتی ہے کہ وہ کسی بھی مجاز سٹور یا دکان سے کریڈٹ کارڈ کی مقررہ حد تک اشیا خرید سکتا ہے۔ اس کارڈ کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر گاہک کے اکاؤنٹ میں اتنی رقم موجود ہے جتنے کی وہ خریداری کر رہا ہے تو اس کارڈ کے ذریعے ثمن ادا کرنا جائز ہے، بشرطے کہ اکاؤنٹ میں رقم نہ ہونے کی صورت میں تاخیر سے ادائی پر کسی قسم کا کوئی سود لینے کی شرط نہ عائد کی جائے۔ (۳۵)

ج) **بینک کے ذریعے ادائی:** اس کا طریقہ یہ ہے کہ خریدار بینک کے پاس جاتا ہے اور یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مخصوص رقم فلاں بائع کے اکاؤنٹ میں منتقل کرنا چاہتا ہے، بینک اس سے رقم وصول کرتا ہے اور بائع کے اکاؤنٹ میں منتقل کر دیتا ہے۔

ہ) **چیک کے ذریعے ادائی:** جدید دور میں چیک کرنسی کی طرح سمجھے جاتے ہیں، لہذا چیک وصول کرنا گویا کہ اصل رقم وصول کرنا ہے۔

و) **الیکٹرانک چیک:** الیکٹرانک چیک بھی عام چیک کی طرح ہوتا ہے اور انھیں بیانات پر مشتمل ہوتا ہے، جن بیانات پر عام چیک مشتمل ہوتا ہے، البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اسے بھرنا، بھیجنا اور موصول کرنا انٹرنیٹ کے ذریعے ہوتا ہے، جب کہ عام چیک ہاتھوں ہاتھ لیا دیا جاتا ہے۔

ز) **موبائل فون کے ذریعے ادائی:** اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو شخص موبائل فون کے ذریعے پیسہ منتقل کرنا چاہتا ہے، وہ کمپنی (۳۶) کے متعلقہ ایجنٹ کے پاس جاتا ہے، کمپنی کا ایجنٹ (رقم منتقل

۳۵- قرارات مجمع الفقه الإسلامي بشأن بطاقات الائتمان، دورة ثانية عشر ۲۵/جمادی الآخرة إلى ۱/رجب ۱٤۲۱ھ-iifa_aifi.org/2055.html

۳۶- ان مشہور کمپنیوں میں یوفون، ٹیلی نار، جاز وغیرہ شامل ہیں۔

کرنے والے سے ضروری معلومات لینے کے بعد) رقم وصول کرنے والے کو چار نمبروں پر مشتمل ایک خفیہ نمبر بھیجتا ہے، جو اس خفیہ کوڈ کو اپنے علاقے میں موجود کمپنی کے ایجنٹ کے سامنے پیش کرتا ہے، ایجنٹ تصدیق کرنے کے بعد اسے اتنی رقم دے دیتا ہے، اور معاملے کے اختتام پر رقم بھیجنے والے اور وصول کرنے والے دونوں کو پیغام موصول ہوتا ہے کہ اتنی رقم کام یابی کے ساتھ منتقل کر دی گئی ہے۔

ثمن ادا کرنے کے یہ تمام طریقے عرف میں رائج ہیں، لہٰذا ان کے جواز میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

عقدِ اجارہ میں عرف کا اثر

عقد اجارہ سے متعلق بہت سے معاملات ایسے ہیں، جنہیں عرف کی بنا پر جائز قرار دیا جاتا ہے، ذیل میں عقد اجارہ کی کچھ ایسی جدید صورتوں کا تذکرہ ہے، جن میں عرف کا اثر ظاہر ہے۔

۱- اجارہ کے انعقاد میں عرف کا اثر

اجارہ ہر ایسے عمل اور قول سے منعقد ہو جاتا ہے، جو لوگوں کے ہاں رائج ہو، مثلاً اگر کوئی شخص کسی عوامی یا نجی سواری پر سوار ہوا اور اس نے کرایہ اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے بعد دیا، اور اس علاقے کا عرف بھی یہی ہے کہ کرایہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے بعد دیا جاتا ہے، تو یہ معاملہ عرف کی وجہ سے جائز ہو گا، لیکن اگر کسی جگہ کا عرف گاڑی میں سوار ہونے سے پہلے کرایہ وصول کرنے کا ہے، تو ایسی صورت میں کرایہ پہلے دیا جائے گا اور یہ معاملہ بھی عرف کی بنا پر جائز ہو گا، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کال شاپ (Call Shop) گیا اور بغیر ایجاب و قبول کے فون پر بات کی اور دوکان والے کو پیسے ادا کر دیے تو یہ اجارہ بھی درست ہو گا، اسی طرح اگر کسی خاص جگہ پر گاڑی کھڑی کی اور بغیر ایجاب و قبول رسید حاصل کر لی، تو یہ اجارہ بھی درست ہو گا، کیوں کہ اس طرز پر معاملہ کرنا لوگوں کے عرف میں رائج ہے، فقہا کی عبارات اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، چناں چہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "اسم البيع والإجارة والهبة في هذا الباب لم يحددها الشارع، ولا حد لها في اللغة، بل يتنوع ذلك بحسب عادات الناس وعرفهم، فما عدوه بيعا فهو بيع، وما عدوه هبة فهو هبة، وما عدوه إجارة فهو إجارة"، (اس باب میں بیع، اجارہ اور ہبہ کی شارع نے کوئی حد بندی نہیں کی، اور نہ ہی لغت میں اس کی کوئی حد ہے، بلکہ یہ لوگوں کی عادات اور عرف کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔)، صاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے

ہیں "من لفظ وغيره أي كالإشارة والكتابة والمعاطاة والعرف الجاري بين الناس"[۳۷] (اجارہ صیغہ سے اور اس کے علاوہ یعنی اشارے سے، کتابت سے، تعامل سے اور لوگوں کے درمیان رائج عرف سے منعقد ہو جاتا ہے۔) **النهر الفائق** میں ہے: "تنعقد الإجارة أيضا بالتعاطي"[۳۸] (اجارہ طرز عمل سے بھی منعقد ہو جاتا ہے۔)

۲- منفعت کے تعین میں عرف کا اثر

الف) اجارے میں منفعت کا تعین ضروری ہے۔ بسا اوقات منفعت کی تمام تفصیلات کو بیان کرنا مشکل ہو جاتا ہے، ایسے حالات میں عرف اور عادت کا کردار بڑا اہم ہو جاتا ہے، چناں چہ اگر کسی نے مکان اجارے پر دیا تو خاندان کے کتنے افراد یہ مکان استعمال کریں گے، کتنے مہمانوں کو آنے کی اجازت ہوگی، کتنا سامان مکان میں رکھا جائے گا، ان تفصیلات کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ ان چیزوں میں عرف کو فیصل مانا جائے گا، علامہ کرمی رحمۃ اللہ علیہ [۳۹] اس بارے کہتے ہیں: "معرفة منفعة إما بعرف كسكنى دار شهر أوخدمة آدمي سنة، وإن لم يضبطا عملا بالعرف"[۴۰] (منفعت کی معرفت عرف کی وجہ سے ہوتی ہے، جیسے ایک مہینے کے لیے گھر رہائش کے لیے اور ایک سال کے لیے کسی آدمی کو خدمت کے لیے رکھنا اور اگر رہائش اور خدمت کا تعین نہیں کیا گیا، تو ان دونوں میں عرف کے مطابق عمل کیا جائے گا۔)

ب) اسی طرح اگر سواری کرائے پر لی اور اس سے نفع اٹھانے کی حدود قیود کو بیان نہیں کیا گیا، تو ایسی صورت میں سواری کو عرف کے مطابق استعمال کیا جائے گا، امام سرخسیؒ اس بارے میں کہتے ہیں: "وإذا

۳۷- الصاوی، **حاشية الصاوي** (قاہرہ: دار المعارف، س ن)، ۴: ۷۔

۳۸- عمر بن ابراہیم، **النهر الفائق** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۲۲ھ)، ۳: ۳۴۱۔

۳۹- ان کا پورا نام مرعی بن یوسف کرمی ہے، حنبلی علما میں ان کا شمار ہوتا ہے، فلسطین میں پیدا ہوئے، **دليل الطالب لنيل المطالب** ان کی مشہور کتابوں میں ہے، ۱۰۳۳ ہجری میں وفات پائی ہے۔ دیکھیے: خیر الدین الزرکلی، **الأعلام** (بیروت: دار العلم للملايين، ۲۰۰۲ء)، ۷: ۲۰۳۔

۴۰- الکرمی، **غاية المنتهى** (کویت: مؤسسة غراس، ۱۴۲۸ھ)، ۱: ۷۱۳۔

استأجر الرجل من الرجل دارا سنة بكذا ولم يسم الذي يريدها له فهو جائز، لأن المقصود معلوم بالعرف"[۴۱] (اگر کسی آدمی نے کچھ اجرت کے بدلے ایک سال کے لیے مکان کرائے پر لیا، اور اس نے اس (منفعت) کو بیان نہیں کیا، جس کا وہ ارادہ رکھتا ہے، تو یہ جائز ہے، کیوں کہ (اس کا) مقصود عرف کی وجہ سے معلوم ہے۔)

اگر وہاں عرف نہ ہو یا عرف مختلف طرز کا ہو، تو ایسی صورت میں منفعت کی حدود و قیود طے نہ کرنے سے عقدِ اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

۳- اجارہ کی مدت کے تعین میں عرف کا اثر

اجارے کے جواز کے لیے ضروری ہے کہ اس کی مدت متعین ہو۔ اجارے کی مدت کے تعین میں عرف کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل مثالوں سے واضح ہے:

الف) اجارے کی مدت وہی ہو گی، جو متعاقدین کے درمیان طے پائی ہے، اگر ان کے درمیان کوئی مدت طے نہ پائے، تو عرف کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، لیکن اگر کہیں اجارے کی مدت کے بارے میں کوئی عرف نہ ہو یا عرف مختلف طرز کا ہو، تو ایسی صورت میں مدت کا تعین ضروری ہے، وگرنہ اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

ب) اگر ایک سال کے لیے کوئی چیز اجارے پر دی اور متعاقدین نے عقد میں قمری یا شمسی سال میں سے کسی ایک کا تعین کر لیا، تو اسی کے مطابق سال پورا کیا جائے گا، اگر شمسی یا قمری میں سے کسی کا تعین نہیں کیا تو اس علاقے کے عرف کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، چناں چہ اگر وہاں کے لوگوں کے عرف میں شمسی سال کو بنیاد بنایا جاتا ہے، تو شمسی سال کے مطابق سال پورا کیا جائے گا، اگر وہاں کا عرف قمری سال کے مطابق چلتا ہے، تو قمری سال کے مطابق سال پورا کیا جائے گا۔

ج) اگر کسی نے گھر میں خادم اجرت پر رکھا، تو خدمت کے گھنٹے اور اوقات کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی، بلکہ خدمت کے اوقات عرف کے مطابق طے ہوں گے، لہٰذا دن اور رات کے ان اوقات میں خدمت لی جائے گی، جو عرف یا عادت کے مطابق ہیں، آرام اور نیند، کھانے پینے اور قضائے حاجت کے اوقات اس سے مستثنیٰ ہوں گے، نیز ان اوقات میں خدمت سے قاصر رہنے کے سبب اجرت میں کسی

۴۱- السرخسی، **المبسوط** (بیروت: دار المعرفة، ۱۴۱۴ھ)، ۱۵: ۱۳۰۔

قسم کی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

ابن مازہ اس بارے کہتے ہیں: "وإذا استأجر الرجل عبدًا ليخدمه كل شهر بأجر مسمى فله أن يستخدمه من السحر إلى ما بعد العشاء الآخرة......فإن العرف فيما بين الناس أنهم لا يستخدمون المماليك بعد العشاء الآخرة إلى السحر، لأنهم ينامون "والمستثنى عرفًا كالمستثنى شرطًا"[۴۲] (اگر کسی آدمی نے غلام اجرت پر رکھا، تاکہ وہ ہر مہینے ایک معین اجرت کے بدلے اس کی خدمت کرے گا، تو اس کے لیے جائز ہے کہ صبح سے لے کر شام تک خدمت کرے، کیوں کہ لوگوں کے ہاں یہ عرف رائج ہے کہ وہ عشا کے بعد سے صبح ہونے تک غلاموں سے خدمت نہیں لیتے، ان اوقات میں وہ سوتے ہیں اور جو عرف میں مستثنیٰ ہو وہ شرط لگا کر مستثنیٰ کرنے کی طرح ہے۔)

عقد وکالت میں عرف کا اثر

وکالت ایک ایسا عقد ہے جس کے ساتھ انسانی ضروریات وابستہ ہیں، انسان ہر کام میں مہارت نہیں رکھتا، یہی وجہ ہے کہ وہ بہت سے معاملات اور تصرفات میں کسی صاحبِ فن یا ماہر سے مدد حاصل کرتا ہے، بسا اوقات وہ کسی کام میں مہارت تو رکھتا ہے، لیکن کسی عذر کی بنا پر خود سر انجام دینے سے قاصر ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے کا محتاج ہوتا ہے، اسی ضرورت اور رفع حرج کی بنا پر شریعت نے عقدِ وکالت کو جائز قرار دیا ہے، وکالت کی بہت سی معاصر تطبیقات کی اصل عرف ہے، ذیل میں چند صورتوں کا جائزہ لیا گیا ہے:

۱) **عرف اور عادت کی بنا پر وکالت کا انعقاد:** وکالت کا عقد ہر ایسے قول یا فعل سے منعقد ہو جاتا ہے، جو کسی عرف میں رائج ہو، چناں چہ علامہ خرشی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے: "الوكالة لا تختص بالصيغة الدالة بقول أو فعل أو إرسال وإنما الحكم في ذلك للعرف والعادة"[۴۳] (وکالت کسی ایسے صیغے کے ساتھ خاص نہیں جو کسی قول، فعل یا پیغام پر دلالت کرے، بلکہ اس میں عرف اور عادت ہی فیصل ہے)، ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے: "تصح الوكالة بكل قول أو فعل دل على القبول"،[۴۴] (وکالت ہر ایسے قول یا فعل کے ساتھ صحیح ہے، جو اجازت پر دلالت کرے۔)

۴۲- ابن مازہ، **المحيط البرهاني**، ۸: ۳۷۔

۴۳- ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخرشی، **شرح مختصر خليل** (بیروت: دار الفكر للطباعة، س ن)، ۶:۷۰.

۴۴- ابن قدامہ، **المغني** (قاہرہ: مكتبة القاهرة، ۱۳۸۸ھ)، ۲: ۱۳۸۔

۲) **مشترکہ گھر میں وکالت:** اگر کرائے کا گھر دو بھائیوں کے درمیان مشترک ہو، اور ان کی عادت یہ ہو کہ ایک بھائی گھر کا کرایہ وصول کرتا ہے، تو کرایہ وصول کرنے والا اپنے بھائی کی طرف سے عادت کی بنا پر وکیل ہوگا، اگرچہ انھوں نے اس بات کی تصریح نہ کی ہو۔[۴۵]

۳) **وکالت پر وکالت:** فقہاے کرام کا کہنا ہے کہ وکیل کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مؤکل کی اجازت کے بغیر آگے کسی کو وکیل بنائے، کیوں کہ لوگ مہارت اور فنکاری میں مختلف ہوتے ہیں، ہو سکتا ہے جو مہارت مؤکل کے اس وکیل میں ہو وہ کسی دوسرے وکیل میں نہ ہو،[۴٦] البتہ فقہا نے اس عمومی اصول سے دو صورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

الف) جب وکالت کا محل ایسا فعل ہو جسے انجام دینا وکیل کی شان اور منصب کے خلاف ہو، تو ایسی صورت میں اس کے لیے جائز ہے کہ وہ یہ وکالت کسی دوسرے وکیل کے سپرد کر دے، اس صورت کے جواز کی دلیل عرف اور عادت ہے۔[۴۷]

ب) دوسری صورت یہ ہے کہ وکیل کی مصروفیت اور کام کا بوجھ اتنا زیادہ ہو کہ خود کرنے سے عاجز ہو، تو وہ اپنے ماتحت کام کرنے والے کسی وکیل کے سپرد کر دے، تو یہ صورت بھی جائز ہو گی، جیسے عصرِ حاضر میں معروف و مشہور وکلا، جن کے پاس مقدمات کی بھرمار ہوتی ہے وہ خود ان تمام مقدمات کو نمٹنے سے قاصر ہوتے ہیں اور اپنے ماتحت کام کرنے والے وکلا کے سپرد کر دیتے ہیں، اس صورت کے جواز کی دلیل بھی عرف اور عادت ہی ہے۔

۵) **وکالت کا محل:** فقہا نے شرط لگائی ہے کہ وکالت کا محل ایسا تصرف ہونا چاہیے، جو شرعاً جائز ہو،[۴۸] لہٰذا

۴۵- دیکھیے: الجزیری، **الفقه على المذاهب الأربعة** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۲۴ھ)، ۳: ۱۵۸۔

۴٦- محمد بن الحسن الشیبانی، **الأصل** (کراتشی، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، س ن)، ۴: ۵۴۲؛ الکاسانی، **بدائع الصنائع** (بیروت: دارالكتب العلمية، ۱۴۰٦ھ)، ٦: ۲۸؛ ابن رشد الجد، **البيان والتحصيل** (بیروت: دارالغرب الإسلامي، ۱۴۰۸ھ)، ۸: ۲۰۵؛ محمد بن ادریس الشافعی، **الأم** (بیروت: دار المعرفة، س ن)، ۳: ۲۳۷؛ صالح العثیمین، **الشرح الممتع** (ریاض: دار ابن الجوزي، ۱۴۲۲- ۱۴۲۸ ھ)، ۹: ۳۵۰۔

۴۷- ابوزکریا محی الدین النووی، **المجموع شرح المهذب** (بیروت: دار الفکر، س ن)، ۱۴: ۱۱۲۔

۴۸- ابن رشد، **بداية المجتهد** (قاہرہ: دارالحديث، ۱۴۲۵ھ)، ۴: ۸۵؛ خطیب شربینی، **مغني المحتاج** (بیروت:

کسی حرام کام (قتل کرنا، چوری اور غصب وغیرہ) پر وکالت جائز نہیں ہے،[۴۹] لہٰذا مندرجہ ذیل صورتوں میں وکالت درست نہیں۔

الف) **مجرم اور ظالم کی مدد پر وکالت:** کسی مجرم یا ظالم کی مدد کے لیے وکالت کرنا جائز نہیں، جیسا کہ عصرِ حاضر میں ہماری عدالتوں کا عرف اور بہت سے وکلا کی عادت ہے کہ وہ محض پیسے کے لیے مجرم اور ظالم کی مدد کرتے ہیں، اگرچہ یہ ان کا عرف ہے، لیکن یہ شریعت کی رو سے جائز نہیں، کیوں کہ عرف کے لیے شرط ہے کہ وہ شریعت سے متصادم نہ ہو۔

ب) **محل وکالت کا مجہول ہونا:** جس کام پر وکیل بنایا جا رہا ہے اگر وہ مجہول ہو تو یہ وکالت جائز نہیں ہے، کیوں کہ کسی چیز کے مجہول ہونے کی وجہ سے عقد فاسد ہو جاتا ہے، معروف قاعدہ فقہیہ ہے: "كل جهالة مفضية إلى المنازعة مبطلة"[۵۰] (ہر ایسی جہالت جو تنازع کی طرف لے جائے وہ عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔) اگر کسی جہالت کو نظر انداز کرنے کا عرف ہو بایں معنی کہ وہ جہالت کسی تنازع کا سبب بھی نہ بنے، تو ایسی جہالت سے تسامح کیا جا سکتا ہے۔ جیسے وکلا کے عرف میں ہے کہ مؤکل جب وکیل کو کوئی کام سپرد کرتا ہے، تو وکالت کے ضمن میں وکیل کی کیا ذمے داریاں ہیں، اس نے کن کن مراحل سے گزرنا ہے اور کن کن کاموں کو انجام دینا ہے، یہ تمام تفصیلات مؤکل کے علم میں نہیں ہوتی اور یہ جہالت کسی تنازع کا سبب بھی نہیں بنتی، اس لیے یہ عرفاً جائز ہے، البتہ اگر یہ جہالت کسی تنازع کا سبب بنے تو ایسی صورت میں وکیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ مؤکل کو اپنی تمام ذمے داریوں سے آگاہ کرے۔

۵) **مطلق وکالت میں وکیل کے تصرفات کا تعین:** وکالت کی دو ممکنہ صورتیں ہیں: مطلق ہو گی یا مقید ہو گی، اگر وکالت مقید ہو تو وکیل عقد میں طے شدہ حدود اور قیود کے مطابق تصرفات کرنے کا پابند ہو گا، اگر

دار الكتب العلمية، ۱۴۱۵ھ)، ۳: ۲۳۳۰۔

۴۹۔ الخرشی، **شرح مختصر خليل**، ۶: ۷۰؛ امام الحرمين الجوينی، **نهاية المطلب** (رياض: دار المنهاج، ۱۴۲۸ھ)، ۷: ۳۳۔

۵۰۔ الزیلعی، **تبيين الحقائق**، ۴: ۱۲؛ ابن الہمام، **فتح القدير**، ۶: ۲۹۳۔

وکالت مطلق ہو اور وکیل کے تصرفات کی حدود و قیود کو عقد میں طے نہ کیا گیا ہو، تو وکیل کسی قسم کے تصرف سے پہلے مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھے گا:

ا) مؤکل کی مصلحت

ب) عرف اور عادت

مؤکل کی مصلحت کو اس لیے مدِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ وکالت کا عقد بنیادی طور پر مؤکل کی مصلحت کے لیے کیا گیا ہے، لہذا مؤکل کی مصلحت کی رعایت کرنا ضروری ہے، چناں چہ اس ضمن میں بہوتی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "إطلاق الوكالة إنما يملك به الوكيل فعل الأحظ لموكله"،[۵۱] (مطلق وکالت میں وکیل اپنے مؤکل کے لیے سب سے بہترین تصرف کا مالک ہو گا۔) رہی بات عرف کی تو اسے اس لیے مدِ نظر رکھا جائے گا کہ مطلق وکالت تصرفات کے تعین میں اصل معیار عرف ہی ہے، لہذا ایسی صورتِ حال میں وکیل عرف کے مطابق تصرفات کرنے کا مجاز ہو گا۔

حقوق معنویہ میں عرف کا اثر

کچھ حقوق معنوی ایسے ہیں جن کا ذکر فقہا کی کتابوں میں بہ کثرت ملتا ہے، مثلاً کسی خاص جگہ سے گزرنے کا حق، کسی خاص پانی کے استعمال کا حق اور حق شفعہ وغیرہ، کچھ حقوق معنوی ایسے ہیں جن کا تذکرہ فقہا کی کتابوں میں نہیں ملتا، بلکہ وہ جدید دور میں وقوع پذیر ہوئے ہیں، مثلاً حقوق نشر واشاعت، تجارتی علامات کے حقوق، نئی ایجادات کے حقوق وغیرہ، تاجروں کے ہاں یہ تمام حقوق مال تصور کیے جاتے ہیں اور انہیں خریدنے اور بیچنے کا رواج بھی عام ہوتا جا رہا ہے، سوال یہ ہے کہ آیا ان حقوق کی خرید و فروخت شریعت کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟ ذیل میں اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن اس سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حق اور حقوق معنویہ کی تعریف ذکر کر دی جائے۔

حق کی تعریف

حق کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، چند ایک یہ ہیں، ابن نجیمؒ نے حق کی تعریف یوں کی ہے: "ما يستحقه الرجل"[۵۲] (حق وہ شے ہے جس کا آدمی مستحق ہوتا ہے)، حق کی ایک تعریف اس طرح کی گئی ہے، "قدرة أو

۵۱– منصور بن یونس البہوتی، **شرح منتهى الإرادات** (قاہرہ: عالم الکتب، ۱۴۱۴ھ)، ۲: ۱۹۰۔

۵۲– ابن نجیم، **البحر الرائق**، ۶: ۱۴۸۔

سلطة على شيء يخولها القانون شخصا معينا، ويرسم حدودها"[۵۳] (حق ایسی قدرت یا ایسا اختیار ہے جو قانون کسی خاص شخص کو دیتا ہے اور اس کی حدود بھی طے کر دیتا ہے)، مصطفی زرقا نے حق کی تعریف یوں کی ہے: "اختصاص يقرر به الشرع سلطة أو تكليفا"،[۵۴] (حق ایسا اختصاص ہے جسے شریعت نے اتھارٹی کے طور (کسی شخص کو دوسرے پر) یا مکلف کی حیثیت سے مقرر کیا ہو۔)

مصطفی زرقا کی تعریف راجح معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ یہ ہر طرح کے حقوق کو شامل ہے، خواہ وہ دینی حقوق ہوں، جیسے نماز، روزہ اور حج وغیرہ، خواہ وہ معاشرتی حقوق ہوں، جیسے ملکیت کا حق، خواہ وہ مالی حقوق ہوں، جیسے نفقہ کا حق۔

حقوق معنویہ کی تعریف

حقوق معنویہ کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں، ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

۱) "الحقوق ترد على شيء غير مادي"،[۵۵] (حقوق معنویہ وہ حقوق ہیں، جو کسی غیر مادی چیز پر حاصل ہوتے ہیں۔)

۲) "سلطة شخص على شيء غير مادي كان ثمرة فكره، أو خياله، أو نشاطه، كحق المخترع في مخترعاته، وحق التاجر في الإسم التجاري، والعلامة التجارية"،[۵۶] (حق معنوی کسی غیر مادی چیز پر کسی شخص کا ایسا اختیار ہے جو اسے اس کی فکر، خیال یا عمل کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے، جیسے موجد کا اس کی ایجادات میں حق اور تاجر کا تجارتی نام یا تجارتی علامت میں حق۔)

یہ تعریف راجح معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ یہ حقوق معنویہ کی سبھی قسموں کو واضح طور پر شامل ہے۔

حقوق معنویہ کی مختلف اقسام ہیں، جن میں حقِ تالیف(Copy Right)، حقِ ایجاد(Invention Right)اور تجارتی علامت(Trade Mark) جیسے حقوق شامل ہیں۔

---

۵۳ – فتحی درینی، **الحق ومدى سلطان الدولة في تقييده** (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۴۰۴ھ)،۵۴۔

۵۴– مصطفی احمد زرقا، **المدخل إلى نظرية الالتزام** (دمشق: دار القلم،۱۴۲۰ھ)،۱۹۔

۵۵– رواس قلعہ جی، **المعاملات المالية المعاصرة** (بیروت: دار النفائس۱۴۲۳ھ)، ۱۲۹۔

۵۶– علی قرۃ داغی، **المعاملات المالية المعاصرة** (بیروت: دار البشائر الإسلامية،۱۴۲۲ھ)،۳۹۸۔

حقوق معنویہ کی خرید و فروخت میں عرف کا اثر

حق معنوی کی بیع کے جائز یا ناجائز ہونے کا انحصار اس کے مال ہونے یا نہ ہونے پر مبنی ہے، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مال کی تعریف کر دی جائے، تا کہ حقوق معنویہ کے مال ہونے کا معاملہ واضح ہو جائے۔

احناف کے ہاں مال کی تعریف یہ ہے: "ما يميل إليه الطبع ويمكن ادخاره لوقت الحاجة"[۵۷] (مال وہ چیز ہے جس کی طرف انسانی طبیعت کا میلان ہو اور اسے بہ وقت ضرورت محفوظ کرنا ممکن ہو۔) اس تعریف کے مطابق حقوق معنویہ مال کی تعریف میں نہیں آتے، کیوں کہ یہ حقوق غیر مادی شکل میں ہونے کے سبب محفوظ نہیں کیے جاسکتے، لہٰذا احناف کی اس تعریف کے پیشِ نظر حقوق معنویہ کی خرید و فروخت جائز نہیں، البتہ چوں کہ عرف میں حقوق معنویہ کو مال کا درجہ دے دیا گیا ہے، اس لیے جدید دور کے بعض حنفی علما (جیسے مفتی تقی عثمانی وغیرہ) بھی اسے مال میں شمار کرتے ہیں۔

مالکی علما کے ہاں مال کی تعریف یہ ہے: "كل ما تمول وتملك"[۵۸] (ہر وہ چیز جسے مال بنایا جائے اور (اس پر) ملکیت حاصل کی جاتی ہو)، مالکیہ کے ہاں مال کی ایک دوسری تعریف یوں ہے، "كلّ ما يملك شرعًا ولو قل"[۵۹] (مال ہر وہ چیز ہے جس کا شرعاً مالک بنایا جا سکے اگرچہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو)، کیوں کہ لوگوں کے عرف میں حقوق معنویہ کو مال بنالیا گیا ہے اور ان میں ملکیت پائی جاتی ہے، لہٰذا مالکی نقطۂ نظر سے حقوق معنویہ مال کی تعریف میں شامل ہیں۔

شافعیہ کے ہاں مال کی تعریف یہ ہے: "ما كان منتفعًا به، أو مستعدًا لأن ينتفع به"[۶۰] (مال وہ چیز ہے جس سے نفع اٹھایا جاتا ہو یا وہ اس قابل ہو کہ اس سے نفع اٹھایا جاسکے۔) اس تعریف کے مطابق بھی حقوق

---

۵۷ - ابن النجیم، **البحر الرائق**،۵: ۲۷۷؛ ابن عابدین، **حاشية ابن عابدين**،۴: ۵۰۱۔

۵۸ - ابن عبد البر، **التمهيد** (المغرب: وزارة عموم الأوقاف، ۱۳۸۷ھ)،۲: ۵۔

۵۹- الدردیر، **الشرح الصغير** (بیروت: دار الفكر، س ن)، ۴: ۷۴۲؛ النفراوی، **الفواكه الدواني** (بیروت: دار الفکر، ۱۴۱۵ھ)،۲: ۲۸۱۔

۶۰- الزرکشی، **المنثور في القواعد** (کویت: وزارة الأوقاف ،۱۴۰۵ھ)،۳: ۲۲۲۔

معنویہ مال کی تعریف میں شامل ہیں، کیوں کہ حقوق معنویہ سے نفع اٹھایا جاتا ہے۔

حنابلہ کے ہاں مال کی تعریف یہ ہے: "ما كان فيه منفعة مباحة،كالفواكه والخضروات، أو ما فيه منفعة للضرورة" (۶۱) (مال وہ چیز ہے جس میں جائز طور پر نفع اٹھایا جاسکے، جیسے پھل اور سبزیاں، یا وہ ضرورت کے وقت نفع بخش ہو۔) اس تعریف کے مطابق بھی حقوق معنویہ مال کی تعریف میں شامل ہیں، کیوں کہ حقوق معنویہ کو مارکیٹ میں بیچ کر نفع کمایا جاسکتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ احناف کی تعریف کے مطابق حقوق معنویہ مال کی تعریف میں شامل نہیں ہیں، اور ائمۂ ثلاثہ کے ہاں مال کی تعریف میں شامل ہیں۔

مال کی تعریف کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کی رائے راجح معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ یہ تعریف زیادہ عام ہے اور ہر طرح کے مال کو شامل ہے، خواہ وہ مادی ہو یا معنوی ہو، لہذا حقوق معنویہ مال ہیں اور ان کی خرید و فروخت جائز ہے، کیوں کہ عرف میں انھیں مال تصور کیا جاتا ہے اور عرف دلیل شرعی ہے، علما کے مندرجہ ذیل اقوال اسی کی تائید کرتے ہیں۔

وہبہ زحیلی کہتے ہیں: حق واشاعت کا حق مؤلف کے لیے ثابت ہے، عرف اور قوانین ان حقوق کا احترام کرتے ہیں۔ (۶۲)

عصرِ حاضر کے معروف عالم دین مفتی تقی عثانی کہتے ہیں: ذہنی یا فنی یا ایجادی حقوق (Intellectual Property) ہمارے موجودہ عرف میں مملوک ہیں، ان پر مال کے احکام جاری ہوں گے، لہٰذا ان کی خرید و فروخت، اجارہ، ہبہ اور وراثت جائز ہے۔ (۶۳)

فتحی درینی رحمۃ اللہ علیہ (۶۴) کا کہنا ہے کہ کسی چیز کی ایجاد کا حق عرف کی وجہ سے مشروع ہے اور عرف کا جواز ایسی مصلحت مرسلہ کی بنیاد پر ہے، جو کسی خاص حق سے تعلق رکھتی ہے۔ (۶۵)

۶۱- دیکھیے: **المغني**، ۴ : ۳۷۱؛ المرداوی، **الإنصاف** (بیروت: دار إحياء التراث العربي، س ن)، ۴: ۲۷۰؛ البہوتی، **كشاف القناع**، ۳: ۵۵۹۔

۶۲- وہبہ زحیلی، **الفقه الإسلامي وأدلته** (دمشق: دار الفكر، س ن)، ۴: ۲۸۶۲۔

۶۳- محمد تقی العثمانی، **قضايا فقهية معاصرة** (دمشق: دار القلم، ۱۴۲۴ھ)، ۷۷۔

۶۴- پورا نام فتحی عبد القادر درینی ہے، ۱۹۲۳ میں فلسطین کے شہر ناصرہ میں پیدا ہوئے، جامعہ دمشق کی شریعہ فیکلٹی کے ڈین رہے،

زہرانی[۶۶] کا کہنا ہے کہ تجارتی علامات، نشر واشاعت، اختراع اور ایجاد جیسے معنوی حقوق مالکان کے لیے ثابت ہیں، نیز یہ حقوق عرف میں قیمتی تصور کیے جاتے ہیں، کیوں کہ لوگ انھیں مال کا درجہ دے چکے ہیں، لہذا ان حقوق کو پامال کرنا جائز نہیں۔[۶۷]

مذکورہ بالا تمام اقوال سے ثابت ہو جاتا ہے کہ عرف کی وجہ سے حقوق معنویہ مستقل حقوق کا درجہ اختیار کر گئے ہیں اور لوگوں کے عرف میں مال کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں، لہذا ان کی خرید و فروخت جائز ہے اور ان میں کسی قسم کی تعدی جائز نہیں ہے۔

بحث کے اہم نتائج

- آپ ﷺ سے لے کے آج تک ہر دور کے علما عرف اور عادت کو شریعت کا ماخذ تصور کرتے رہے ہیں، بشرطے کہ وہ قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو، فقہا قرآن و سنت کی نصوص اور فقہا کی عبارات اس کا واضح ثبوت ہیں۔
- عرف اور عادت میں فرق یہ ہے کہ عادت کا اطلاق فرد اور جماعت دونوں کی عادت پر ہوتا ہے، جب کہ عرف کا اطلاق جماعت پر ہوتا ہے، فرد پر نہیں ہوتا،
- عرف کی حجیت کے باب میں آپ ﷺ کی یہ حدیث "الوزن وزن أهل مكة، والمكيال مكيال أهل المدينة" سب سے مضبوط دلیل ہے۔
- مالی معاملات کی بہت سی جدید صورتوں میں عرف کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ مبیع اور ثمن کو پہچاننے کی جدید صورتیں، اسی طرح مبیع اور ثمن قبضے اور ادائی کی جدید صورتوں کے جواز کا مصدر عرف ہے۔

المناهج الأصوليّة في الاجتهاد بالرأي في التشريع الإسلامي اور **نظريّة التعسّف في استعمال الحق** ان کی مشہور تصانیف میں سے ہیں، ۲۰۱۳ میں وفات پائی ہے۔

۶۵- فتحی درینی، **بحوث مقارنة** (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۴۲۹ھ)، ۲: ۵۲۔

۶۶- ان کا پورا نام عدنان بن جمعان زہرانی ہے، حنبلی فقیہ ہیں، **أحكام التجارية الإلكترونية، الإعجاز الشريعي في الإسلام** ان کی تصانیف ہیں۔

۶۷- عدنان زہرانی، **أحكام التجارة الإلكترونية** (بیروت: دار القلم، ۲۰۱۳)، ۳۳۷۔

- اجارے کے انعقاد، اجارے میں منفعت اور مدت کے تعین میں بھی عرف اہم کردار ادا کرتا ہے۔
- وکالت کے انعقاد میں بھی عرف کا اثر واضح ہے، نیز ہماری عدالتوں کا عرف اور بہت سے وکلا کی عادت کہ وہ محض پیسے کے لیے مجرم اور ظالم کی مدد کرتے ہیں، شریعت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔
- حقوق معنویہ کی خرید وفروخت جائز ہے، کیوں کہ لوگوں کے عرف میں اسے مال تصور کیا جاتا ہے، لہٰذا اس مال کا احترام اور اس کے متعلقہ قوانین کی پاس داری ضروری ہے۔

❁❁❁❁❁